اکائی 22 آزادی کے بعد کی اردو شاعری

ساخت

22.1 اغراض ومقاصد
22.2 تمہید
22.3 آزادی کے بعد کی اردو شاعری کا پس منظر
22.3.1 آزادی کے بعد کی اردو شاعری
22.4 آپ نے کیا سیکھا
22.5 اپنا امتحان خود لیجیے
22.6 سوالات کے جوابات
22.7 فرہنگ
22.8 کتب برائے مطالعہ

22.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ کو سمجھانے کی کوشش کی جائے گی کہ

- اردو شاعری کیا ہے، سماج پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں
- آزادی سے قبل اردو شاعری کا رنگ کیا تھا
- آزادی کے بعد اردو شاعری کا رنگ کیا رہا
- آزادی کے بعد اردو شاعری کے موضوعات کیا تھے

22.2 تمہید

اردو زبان جذب وانجذاب کی زبان، یہ زبان گنگا جمنی تہذیب کی علامت ہے، یہ واحد ایسی زبان ہے جو کم وبیش پوری دنیا میں پڑھی، سمجھی اور بولی جاتی ہے۔ یہ صرف میل جول اور پیار ومحبت کی ہی زبان نہیں ہے بلکہ یہ ایک انقلابی زبان بھی ہے، اردو ہندوستان کی واحد ایسی زبان ہے جس نے ملک کی آزادی میں اہم اور کلیدی کردار ادا کیا۔ اور یہ ہندوستان کی اٹھارہ قومی زبانوں میں سے ایک ہے۔ اس زبان کی مقبولیت کا اصل راز یہ ہے کہ اس کی تشکیل میں دنیا بھر کی زبانوں کا عمل دخل ہے، اردو زبان کا اپنا کوئی خاندان نہیں بلکہ دنیا بھر کی زبانوں سے مل کر بنی ہوئی یہ زبان ہے۔ اس زبان میں تمام زبانوں کا رس ملا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زبان کی شیرینی اور

مٹھاس کے آگے کسی زبان کی شیرینی مزہ نہیں دیتی ہے۔اور ہر قوم اور ہر مذہب کے بولنے والوں کو یہ زبان اپنی زبان معلوم ہوتی ہے۔اس میں عربی، فارسی، ہندی اور سنسکرت کے علاوہ اور بھی بہت سی علاقائی بولیوں کے الفاظ شامل ہیں۔یہی وجہ ہے کہ یہ زبان ہندوستان میں رہنے والے تمام ہی ہندوستانیوں کی زبان ہے۔اس کا کسی ذات اور کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔اگر اس کا تعلق کسی خاص مذہب سے ہوتا تو نیپال، خلیجی ممالک مشرق وسطیٰ، مغربی یوروپ، اسکینڈ نیوائی ممالک (ڈنمارک، ناروے، سوئڈین) امریکہ اور کناڈا میں نہیں بولی جاتی اور نہ ہی لنگوا فرینکا بنتی، تاریخی اعتبار سے ہم دیکھیں تو اردو کی ابتدا بارہویں صدی کے بعد مسلمانوں کی آمد سے ہوتی ہے۔یہ اپ بھرنش سے رابطے کی زبان کے طور پر نمودار ہوئی جو شمالی مغربی ہندوستانی کی علاقائی بولی تھی۔جب کہ اس سے پیشتر ہر دل عزیز صوفی شاعر حضرت امیر خسرو (1325-1253) کو مقبولیت حاصل ہو چکی تھی۔جن کے بارے میں مشہور ہے کہ انھوں نے اس نئی زبان میں دوہے، پہلیاں اور کہہ مکرنیاں کہیں جسے اس وقت ہندوی کہا جاتا تھا۔

22.3 آزادی کے بعد کی اردو شاعری کا پس منظر

جب درمیانی عہد میں اسے جو کہ ایک مخلوط زبان کی حیثیت سے جانی جاتی تھی ہندوی، زبان ہند، ہندی، زبانِ دہلی، ریختہ، گجری، دکنی، زبانِ اردوئے معلیٰ، زبان اردو، اردو، وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا تھا۔باوجود اس کے اردو کے دو بڑے عظیم المرتبت شاعر میر تقی میر (وفات 1810) اور مصحفی (وفات 1824) نے انیسویں صدی کے آغاز تک اپنی زبان اور بولی کو ہندی یا ہندوی کہا ہے:

نہ جانے لوگ کہتے ہیں کس کو سرورِ قلب
آیا نہیں یہ لفظ تو ہندی زباں کے بیچ

(میر تقی میرؔ)

مصحفی فارسی کو طاق پہ رکھ
اب ہے اشعارِ ہندوی کا رواج

(مصحفیؔ)

مندرجہ بالا دونوں اشعار کو پڑھنے کے بعد یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ آخر اردو اور ہندی میں تفریق کیوں، کب اور کیسے پیدا ہوئی۔تو یہ جان لینا ضروری ہے کہ جب سیاست کی جدید کاری کا زمانہ شروع ہوا اور اس کے نئے نئے مفاہیم گڑھے جانے لگے اور سیاست کا مکمل منظر نامہ ہی بدل گیا تو اسی کے نتیجے کے طور پر نو آبادیاتی نظام کا تسلط تیزی سے مرتب ہونے لگا۔

جس کے نتیجے میں پورے ملک میں بہت تیزی سے تہذیبی وثقافتی قدریں بدلنے لگیں جس کی شروعات جان گلکرسٹ کی سربراہی میں فورٹ ولیم کالج (1800) میں ہوگئی تھی۔ مگر جب بات اردو شاعری کے حوالے سے ہوگی تو اس سے قبل اردو کی مختصر تاریخ کا جان لینا مناسب ہوگا اور ضروری بھی۔ کیوں کہ جب ہمیں اس زبان کے بارے میں جامع معلومات نہیں ہوں گی تو ذہن میں بہت ساری الجھنیں جنم لیں گی۔ چوں کہ پندرہویں، سولھویں اور سترہویں صدی میں اردو کا آغاز دکن میں ہوا اردو کو چونکہ مغل دربار کی سرپرستی حاصل تھی جس کا پہلے پہل ادبی استعمال صوفیائے کرام اور عوامی شاعروں نے کیا۔ اس وجہ سے اس کا نام دکنی پڑا۔ دکن کے اہم اور مشہور شعرا میں محمد قلی قطب شاہ (وفات: 1611) غواصی (وفات: 1631) نصرتی (وفات: 1674) ابن نشاطی (وفات: 1655) اور ولی اورنگ آبادی (وفات: 1707) وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ ولی سے متاثر ہو کر دہلی کے قابل قدر شعرانے اردو میں شاعری کا آغاز کیا۔ کمال تو یہ ہے کہ اردو شاعری کو وہ اتنا ہی موزوں ماننے لگے جتنا موزوں ان کی نظر میں فارسی شاعری تھی۔ یہیں سے اردو کی ترقی کی راہ ہموار ہوئی۔ یہ بات بھی سورج اور چاند کی طرح عیاں ہے کہ اردو کلاسیکی شاعری کا سنہرا دور اٹھارہویں اور انیسویں صدی کا دور تسلیم کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس عہد میں اردو زبان کی لطافت اور چاشنی اپنے عروج پر تھی۔ اس کی ایک سبب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے کے زبان داں اور قادر الکلام شاعروں میں میر تقی میر (وفات: 1810) انشاء (وفات: 1817) مصحفی (وفات: 1824) ناسخ (وفات: 1838) آتش (وفات: 1848) مومن (وفات: 1851) ذوق (وفات: 1854) اور غالب (وفات: 1869)، کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ یہ تمام وہ شعرا ہیں جو خالص غزل کے تصور کیے جاتے ہیں۔ اگر مثنوی نگار شعرا کے نام گنائے جائیں تو ان میں میر حسن (وفات: 1786)، دیا شنکر نسیم (وفات: 1845)، اور نواب مرزا شوق (وفات: 1871)، اہم ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کو اردو کا عظیم عوامی شاعر مانا جاتا ہے۔ اسی طرح مرثیہ کے میدان میں ید طولیٰ رکھنے والے انیس (وفات: 1874)، اور دبیر (وفات: 1875)، پر آج تک کوئی سبقت نہیں لے پایا۔ جب کہ مرزا غالب جو کہ مغل فرماں روا بہادر شاہ ظفر کے ہم عصر تھے، ان کو جدید شاعری کا پہلا شاعر تصور کیا جاتا ہے اور کلاسیکی شعرا کی کڑی کا آخری شاعر گمان کیا جاتا ہے، اور علامہ اقبال (وفات: 1938) کو بیسویں صدی کا عظیم اور سب سے بڑا شاعر مانا جاتا ہے۔ جب کہ اس عہد زریں کے اہم اور نامور شعرا میں ن۔ م۔ راشد (وفات: 1975) میرا جی (وفات: 1949)، جوش ملیح آبادی (وفات: 1982)، مخدوم محی الدین (وفات: 1969) اور اختر الایمان (وفات: 1996) وغیرہ شمار کیے جاتے ہیں۔ یہ اردو شاعری کا وہ منظر نامہ ہے جو شروع سے ابتک قائم ہے۔ یہاں شعری منظر نامے کی تفصیل سے گریز کرتے ہوئے ایک اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے وہ اس لیے کہ اس سے اندازہ ہو سکے کہ آزادی سے قبل کون کون سے شعرا اردو شاعری کے فروغ میں پیش پیش تھے، اور آزادی کے وقت کون کون سے شعرا اپنی خدمات انجام دے رہے تھے نیز آزادی کے بعد سے اب تک کون لوگ شعری سرمائے میں اضافہ کر رہے ہیں، یہاں پندرہویں، سولہویں، سترہویں، اٹھارہویں، انیسویں اور بیسویں صدی

کے شعرا کے نام شامل کیے گئے ہیں۔ گویا کہ اس تمہیدی گفتگو میں اردو کی ابتدا، عہد وسطیٰ اور بیسویں صدی تک کے شعرا کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ اس وجہ سے بھی ضروری تھا کہ ہمیں اندازہ ہوسکے کہ کب کب اور کیسے کیسے اردو بالخصوص اردو شاعری کو فروغ ملا اور ہمیں یہ سوچنا اور جاننا بھی ضروری ہے کہ آج ہم یہاں ہیں، کل کہاں تھے اور آنے والے کل یعنی مستقبل میں ہم کہاں ہوں گے؟ یعنی ہمارا مستقبل کتنا روشن ہوگا یہ دیکھنا ضروری تھا۔ اسی کے پیش نظر ہم نے اس مختصر تمہیدی گفتگو میں یہ ذکر کیا ہے کہ اردو زبان کیا ہے؟ کیسی ہے؟ اور کن مراحل سے ہوکر یہاں پہنچی ہے اور کن کن شعرا نے اسے اپنے خون جگر سے سینچا ہے۔ اب ہم یہاں خاص طور پر آزادی کے بعد کی اردو شاعری پر مفصل گفتگو کریں گے۔

22.3.1 آزادی کے بعد کی اردو شاعری

اردو شاعری کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے نہ صرف عوام کو مستفید کیا بلکہ ملک کو آزاد کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اور اردو کے شعرا نے ملک کو انگریزوں سے آزاد کرانے کے لیے اپنی شاعری کو سب سے مضبوط وسیلہ بنایا۔ گویا ملک کو آزاد کرانے کے لیے دو طرح کی فوجیں کام کر رہی تھیں۔ ایک تو وہ مسلح فوجیں تھیں جو ملک کی سرحد پر چوکسی برتتے ہوئے تھیں اور دوسری فوج اردو کے ان شعرا کی تھی جو اپنی باغیانہ اور مجاہدانہ شاعری سے اہل فرنگ کے ایوانوں میں ہنگامہ برپا کیے ہوئے تھی، دوسری طرف وہ شعرا باشندگان وطن کو اپنے کلام کے ذریعہ ولولہ کے ساتھ حوصلہ بھی دے رہے تھے کہ صبر سے کام لو کامیابی ضرور قدم چومے گی اور ہوا بھی ایسا ہی۔ قبل اس کے کہ آزادی کے بعد کی اردو شاعری پر مفصل گفتگو کی جائے مختصراً یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ اس وقت کا سیاسی منظر نامہ کیسا تھا جس کی وجہ سے جو مسائل رونما ہوئے اور جو بحرانی صورت حال پیدا ہوئی اس کو وجہ کیا تھی؟ چوں کہ ملک ایک ایسی قوم اور حکومت کے استبداد سے آزاد ہو رہا تھا جو ہندوستان پر برسہا برس سے حکومت کرتی ہوئی چلی آرہی تھی یہ ایک ایسا تاریخی موڑ تھا جس طرح 1857 کے انقلاب نے مغربی حکومت کو خاتمے کی دہلیز تک پہنچایا اور ایک صدی کا وہ سفر ختم ہوا جو 1757 میں پلاسی کی جنگ سے شروع ہوا تھا۔ اس کے بعد انگریزوں کی سیاست اور جارحیت ہندوستان پر اپنے قبضے اور اختیار کو برابر مضبوط کرتی جا رہی تھی مگر یہ سلسلہ 1857 پر ختم ہوا۔ یہ ایک اہم موڑ تھا۔ اس کے بعد ہندوستانیوں کے ذہن میں نئے نئے سوالات جنم لینے لگے تھے کیوں کہ مغربی ذہن، زندگی اور تعلیمی اقدار سے ہم آہنگی پیدا کرنا بھی اشد ضروری تھا۔ اس وقت انگریز حکومت کی سیاسی حکمت عملی کو سمجھ کر اس کے دوررس نتائج پر نظر رکھنا اور اس سے اختلاف بھی ضروری تھا۔ اسی کشمکش میں ایک صدی کا سفر ختم ہوگیا۔ اسی میں سرسید تحریک بھی معرض وجود میں آئی اور 1885 کے بعد کانگریس کی قومی تحریک بھی شروع ہوئی اور ادبی سطح پر حقیقت پسندی اور رومانیت کے رویے بھی وجود میں آئے۔ اس کے بعد روس کے عوامی انقلاب کے عالمی اور ایشائی نتائج کو نمایاں حیثیت حاصل ہوئی۔ جب کہ ہندوستان میں نئی صنعتوں کے رواج اور ان کے ذہنی، زمینی اور زمانی اثرات نے جو مسائل پیدا کیے ان کا اظہار 1935 کے بعد ہماری ترقی پسند تحریک کے ادبی رویے میں شروع ہوا۔

جدوجہد آزادی کا یہ سلسلہ 1947 میں ختم ہوتا ہے۔ 14 اور 15 اگست کی درمیانی شب میں انگریزوں نے ہندوستان چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور اسی کے ساتھ ملک کی تقسیم کا عملی نتیجہ بھی سامنے آیا۔ جو کہ ایک تاریخی المیہ سے کم نہیں تھا۔ اور ملک دو حصوں میں بٹ گیا، ایک طرف ہندوستان اور دوسری طرف پاکستان۔ یہ بٹوارہ دراصل

مذہب کی بنیاد پر آبادی کی اکثریت کے فیصلے پر مبنی تھا۔ 1947 میں برصغیر کی افسوسناک تقسیم اور ہندوستان کی آزادی سے بے شمار مسائل پیدا ہوئے۔ اس انقلاب کے جہاں خوشگوار نتائج برآمد ہوئے وہیں اس سرزمین پر آباد رہنے والے بے شمار انسانوں کو ان گنت اندوہناک کوائف سے دوچار ہونا پڑا۔ تہذیب، زبان وثقافت، اقدار حیات، معاشی خوش حالی اور امن وسکون ہر شے اپنے محور سے ہٹنے لگی۔ ملک کے باشعور قائدین، عوام اور اہل علم وقلم نے اس صورت حال کا زندہ دلی سے سامنا کیا لیکن خاص تعداد ایسے لوگوں کی بھی موجود تھی جو برہمی حالات سے مکمل فائدہ حاصل کرنے کے لیے تیار بیٹھی تھی۔ جب کہ ملک کے کمزور پس ماندہ اور مظلوم طبقے پر ظلم وستم کے ہمالیہ توڑنے میں انھوں نے کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔ آزادی کے بعد ہندوستان میں اردو شعروادب کا سفر بے حد ناسازگار حالات میں شروع ہوا۔ اس وقت اردو شاعری کے دامن میں جو ورثہ موجود تھا وہ نہایت ہی تابناک تھا۔ ان ہی تابناک روایات کے سہارے اس نے اہل وطن اور بنی نوع انسان کے درد وآشوب کی ترجمانی کی۔ اور گردوپیش کے مسائل سے دلچسپی لینے کا یہ سلسلہ عہد سرسید سے شروع ہوتا ہے۔ جب کہ علی گڑھ تحریک نے اردو شعروادب کو بلند مقاصد اور معاشرتی وتہذیبی انقلاب کی آرزوؤں کا ترجمان بنانے کی کوشش کی۔ حالی نے مسدس مدجزر اسلام لکھ کر اردو شاعری کو برگزیدہ مقصدیت اور ملی دردمندی کی طرف موڑ دیا اور ماضی وحال اور مشرق ومغرب کی قبائیں ملا دیں، حالی اس مسدس کے تعارف میں خود لکھتے ہیں:

> ’’قوم کے لیے اپنے بے ہنر ہاتھوں سے ایسا آئینہ خانہ بنایا ہے جس میں آکر وہ اپنے خد وخال دیکھ سکتے ہیں کہ ہم کون تھے اور کیا ہو گئے۔‘‘

وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمان شاعری
قبلہ ہو اب ادھر تو نہ کچھ نماز تو

اسی عہد میں علامہ شبلی نے بھی اپنی نظموں میں اپنے عہد کے ملی مسائل کو خوب موضوع سخن بنایا۔ شبلی عالمگیر ملی وحدت کے حامی تھے۔ مسجد کانپور کے واقعہ پر ان کی مشہور نظم کا یہ شعر دیکھیے۔

پہنائی جارہی ہیں عالمان دین کو زنجیریں
یہ زیور سپہ سجاد حالی کی نشانی ہے

سید وقار عظیم شبلی کی سیاسی نظموں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ’’یہ آواز ایک صاحب بصیرت مورخ کی بھی ہے ایک حق پسند سیاسی مبصر کی بھی اور ایک بے باک شاعر کی بھی جس نے تاریخ اور سیاست کے حقائق کو شاعری کے سانچے میں ڈھالا اور شاعر کو مصلحت کی راہ پر چھوڑ کر حق گوئی کا مسلک اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔‘‘

اکبر آلہ آبادی جو کہ خود ایک بڑے شاعر ہیں انھوں نے بھی اس نئے ذہن پر اپنی نظموں میں تنقید کی جو سر سید کے مذہبی، تعلیمی اور سیاسی فکر کے نتیجے میں وجود میں آرہے تھے۔ اس سے مشرقیت کے سلسلہ میں بےزاری اور اسلام کے سلسلہ میں تشکیک و بے اعتنائی پروان چڑھ رہی تھی۔ اکبر کا یہ شعر دیکھیے:

وہ کیا راہ دکھائی ہے ہمیں سید نے
کعبہ کو کردیا گم اور کلیسا نہ ملا

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرائیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

اس کے علاوہ اکبر چوں کہ دیدہ ور شاعر تھے اس لیے انھوں نے مغرب کی اندھی تقلید کے علاوہ مسلم معاشرے کے عیوب کو بھی نشانہ بنایا۔

تہہ کردو صاحب نسب نامے وہ وقت آیا ہے اب
بے اثر ہوگئی شرافت مال دیکھا جائے گا

اسی طرح علامہ اقبال نے بھی مظلوم انسانوں بالخصوص مسلمانوں کے زوال آمادگی کے اسباب پر حکیمانہ انداز سے تجزیہ کیا ہے۔

نسل نو، قومیت کلیسا، بندگی، تہذیب، رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی

یہ سچ ہے کہ اقبال نے اردو شاعری کا مزاج بدلا اور درماندگی و بے چارگی کے احساس کو زائل کیا۔ ابواللیث جاوید لکھتے ہیں:

''اردو شاعری میں شاید ہی کوئی دوسرا شاعر ہو جس نے شعوری طور پر اپنے زمانہ کو اتنا متاثر کیا ہو۔''

یہ تو ایک منظر نامے کی ہلکی سی جھلک ہے جو دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں ہم گریز کرتے ہوئے 1857 کے بعد جو ایک ہنگامی صورت حال پیدا ہو چکی تھی جس کی وجہ سے زندگی کے تقریباً شعبہ جات تبدیل

ہو رہے تھے۔ جس کی زد میں اردو شاعری بھی آئی۔ انجمن کا ذکر کرنا ضروری اس لیے ہے کہ کیوں کہ جدید نظم کی ترقی کی راہیں اسی سے ہموار ہوئیں۔ محمد حسین آزاد اور حالی کی کوششوں سے اردو نظم کی جانب شعرا مائل ہوئے۔ غزل کو بے وقت کی راگنی قرار دے کر اس کے خلاف باضابطہ طور پر تحریک چلائی۔ نتیجتاً غزل کی ترقی کی رفتار دھیمی ہوگئی۔ لیکن غزل نے پھر ایک نئی راہ بنائی۔ کیوں کہ اردو غزل کو کچھ ایسے شعرا ملے جنھوں نے غزل کو دوبارہ عظمت کی بلندی سے ہم کنار کیا۔ ان میں امیر اللہ تسلیم لکھنوئی جو کہ ایک استاد شاعر کے طور پر معروف ہیں ان کے علاوہ صفی لکھنوی، عزیز لکھنوی، جلال لکھنوی، ثاقب لکھنوی اور ریاض خیر آبادی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کے بعد شاد عظیم آبادی، یاس یگانہ چنگیزی، مولانا فضل الحسن حسرت موہانی، اصغر گونڈوی، فانی بدایونی اور علی سکندر جگر مراد آبادی ایسے بڑے شاعروں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی فن کارانہ اور استادانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اردو غزل کو زندگی اور زمانے کا ترجمان بنایا۔ یہ سبھی جانتے ہیں کہ غزل جو کہ اردو شاعری کی آبرو ہے۔ اس کی عظمت پارینہ کو بحال کرنے میں حسرت موہانی، فانی بدایونی، اصغر گونڈوی اور جگر مراد آبادی کا غیر معمولی کردار رہا ہے۔ بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ کریں:

یہ بزم مے ہے، یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

(شادؔ عظیم آبادی)

یہاں کوتاہیِ ذوقِ عمل ہے خود گرفتاری
جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

(اصغرؔ گونڈوی)

ہر نفس عمر گزشتہ کی ہے میت فانیؔ!
زندگی نام ہے، مَر مَر کے جیے جانے کا

(فانیؔ بدایونی)

باغباں نے آگ دی، جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا۔ وہی پتے ہوا دینے لگے

(ثاقبؔ لکھنوی)

نہیں آتی، تو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

(حسرت موہانی)

قفس کو جانتے ہیں یاسؔ آشیاں اپنا
مکان اپنا، زمیں اپنی، آسماں اپنا

(یاسؔ یگانہ چنگیزی)

کبھی شاخ و سبزہ و برگ پر، کبھی غنچہ وگل و خار پر
میں چمن میں چاہے جہاں رہوں، مراحق ہے فصل بہار پر

آزادی کے زمانے میں ترقی پسند تحریک، دیگر تحریکوں میں کافی اہمیت کی حامل تحریک تھی۔اسی طرح جدیدیت کی تحریک بھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔مگر نہ دیکھا جائے تو شعوری طور پر 1936 میں ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا۔ ترقی پسند تحریک کے تعلق سے پروفیسر احتشام حسین لکھتے ہیں ''جب 1935 کے آس پاس ہندوستان میں ترقی پسند مصنفین کی تحریک شروع ہوئی تو زیادہ تر اچھے اور نوجوان شاعر اور ادیب نے اپنے آپ کو اس تحریک میں شامل کرلیا، اور بہت سارے پرانے ادبا وشعرا نے بھی اپنی حمایت پیش کیں مگر جن اہم شعرا نے اس تحریک کو نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ اس کی فکر کو استحکام بخشا ان میں جوش ملیح آبادی اور فراق گورکھپوری کی حیثیت رہبر ورہنما کی ہے۔ان کے علاوہ مخدوم محی الدین، فیض احمد فیض، مجروح سلطانپوری، معین احسن جذبی، احسان دانش، مجاز لکھنوی، ساحرلدھیانوی، علی سردار جعفری اور کیفی اعظمی کے نام نہ صرف قابل ذکر اور اہم ہیں بلکہ قابل قدر بھی ہیں۔یہ سچ ہے کہ ترقی پسند تحریک کے نزدیک حصول مقصد میں غزل کے بجائے نظم زیادہ معاون اور مددگار تھی۔ کیوں کہ اس تحریک کا مقصد مقصد شاعری تھا اس لیے اس نے اس جانب نہ صرف توجہ دی بلکہ زور بھی دیا۔یہی وجہ ہے کہ بیشتر ترقی پسند شعرا نے غزل کے بجائے نظم نگاری پر توجہ دیا۔مجروح سلطان پوری واحد ایسے ترقی پسند شاعر ہیں جنھوں نے صرف غزل کہنے پر اکتفا کیا۔علامہ اقبال کی طرح فراق گورکھپوری اور فیض احمد فیض بھی ایسے شاعر ہیں جنھیں ہم نظم اور غزل دونوں کا بڑا شاعر تسلیم کرتے ہیں۔جوش ملیح آبادی، مخدوم محی الدین، احسان دانش، علی سردار جعفری، ساحرلدھیانوی اور کیفی اعظمی ایسے شاعر ہیں جنھوں نے غزل تو کہیں مگر ان کی شناخت اہم اور بڑے نظم گو شاعر کی حیثیت سے ہے باوجود اس کے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اردو غزل کی تاریخ میں رگھو پتی سہائے فراق گورکھپوری، فیض احمد فیض اور مجروح سلطان پوری کا نام ہمیشہ عزت واحترام سے لیا جائے گا۔ نمونے کے چند اشعار ملاحظہ کریں:

سر میں سودا بھی نہیں، دل میں تمنا بھی نہیں
لیکن اس ترکِ محبت کا بھروسہ بھی نہیں
رُکی رُکی سی شبِ مرگ ختم پر آئی
وہ پَو پھٹی، وہ نئی زندگی نظر آئی
فضا تبسم صبحِ بہار تھی، لیکن
پہنچ کے منزل جاناں پہ، آنکھ بھر آئی

(رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری)

گلوں میں رنگ بھرے، بادِ نو بہار چلے
چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے
قفس اُداس ہے یارو! صبا سے کچھ تو کہو
کہیں تو بہرِ خدا آج ذکرِ یار چلے

(فیض احمد فیض)

جلا کے مشعل جاں ہم جنوں صفات، چلے
جو گھر کو آگ لگائے ہمارے ساتھ چلے
ستون دار پہ رکھتے چلو سروں کے چراغ
جہاں تلک یہ ستم کی سیاہ رات چلے

(مجروح سلطانپوری)

یہ پہلو بھی قابل قدر اور قابلِ رشک ہے کہ ناساز گار حالات سے نبرد آزما رہنے اور امید و حوصلہ مندی کا چراغ روشن رکھنے کی تلقین کرتے ہیں اور کبھی کبھی تو انھیں اپنی مشرقی تہذیبی ورثہ کا بھی خیال آجاتا ہے۔ اپنی بیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے جاں نثار اختر نے اپنے احساس کو اس طرح ظاہر کیا ہے۔

تم ایک ایسے گھرانے کی لاج ہو جس نے   ہر ایک دور کو تہذیب و آگہی دی ہے
جو لاوطن ہوئے آزادی وطن کے لیے   مرے تو ایسے کہ اور کو زندگی دی ہے

معین احسن جذبی بھی اس قافلہ کے شہسوار ہیں جن کا شمار متوازن اور معتبر شعرا میں ہوتا ہے، جو شکستہ دلوں کو جوڑنے اور ہزیمت خوردہ افراد کو اپنی صفیں درست کرنے کے موجب ہیں۔

جو دل کو جوڑتے تھے وہ معمار کیا ہوئے | تھا جن کے پاس زخم کا مرہم کہاں گئے
چمن پرست چمن کو نکھارتے ہی رہے | دل و نظر میں رہا قطرۂ مہو جب تک
نالے ہمارے لب پہ شرر بار آتے ہیں | گھبرا اٹھے ہیں ظلمت شب سے تو بارہا
وجہ شکستِ شیوہ قاتل رہے ہیں ہم | ہر جور ناتواں کے مقابل رہے ہیں ہم

آزاد ہندوستان کی صوتِ حال پر تقریباً اردو کے شعرا نے اظہارِ خیال کیا ہے معین احسن جذبی نے مزید اس طرح سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے:

آندھیاں اٹھتی ہیں طوفان یہاں چلتے ہیں | اے مرے ہم سفرو اس کو تو منزل نہ کہو
نالۂ بے قرار ادھر شورش چشم تر ادھر | کیا یہی انقلاب ہے قلب ادھر جگر ادھر
کورے نرگسِ وطن نور ادھر نظر ادھر | اف رے سیاست چمن رنگ و بو سے سوئے طن
وائے یہ حال تشنگانِ شر ادھر شکر ادھر | کام و دہن کی تلخیاں کوئی مٹائے اب کہاں
دل خوں ہو کے صرف بہاراں ہوا تو کیا | مہکا نہ کوئی پھول نہ چٹکی کوئی کلی

ملک کی آزادی کے بعد ایک طویل عرصہ تک پورے ملک میں ایک عجیب سی کیفیت رہی جس کے نتیجے میں شعرائے کرام نے بھی اپنی طبعی کیفیتوں کا اظہار کیا جس سے ہمیں ان کے کلام کو پڑھ کر اس عہد کی سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی کی صورتِ حال کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد زمانہ جدیدیت کا بھی آتا ہے۔ جس میں شاعر کی تنہائی اور علامت نگاری پر زور دیا گیا۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جدیدیت دراصل ایک ایسا جدت پسندانہ رویہ ہے جو روایتی انداز کو رد کرتا ہے۔ اور ماضی کے مقابلے میں حال کو تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ ساتھ ہی آج کے مسائل کے حل کرنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔ اردو کا ایک شعر ہے۔

میں بہت سرکش ہوں لیکن ایک تمہارے سامنے
سر جھکا سکتا ہوں میں آنکھیں بچھا سکتا ہوں
تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

(میر تقی میر)

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یارب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

(علامہ اقبال)

مذکورہ بالا اشعار کو واردات قلبی کے اظہار کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

22.3.2 آزادی کے بعد کی جدید شاعری

دراصل جدیدیت 1960 کے بعد کا رجحان ہے۔ جسے ترقی پسند تحریک کے رد عمل کے طور پر وجود میں آنے والی فکر کو کہا جاتا ہے اس کے فکر کے بانی کے طور پر مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ جن کے فکری رجحان کے تعلق سے سابق میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد ایک رجحان مابعد جدیدیت کا بھی ہے۔ یہ 1980 کے بعد کا رجحان ہے۔ مابعد جدیدیت کے شعرا نے جدید تر طرز احساس اور پیرایہ بیان سے غزل اور نظم دونوں کو فکری اور فنی اعتبار سے توانا کیا یہی نہیں بلکہ نئے امکانات کی بشارت بھی دی ساتھ ہی اس عہد میں غزل کی ہیئت کو جامد قرار دیا اور نئی ہیتی تجربات کا ڈول ڈالا۔ جس کے نتیجے میں آزاد غزل، معریٰ غزل اور نثری غزل جیسے ہیتی ڈھانچے وجود میں آئے۔ اس تعلق سے پروفیسر وہاب اشرفی فرماتے ہیں:

> ''ہر زمانے کے ادب پر مابعد جدیدیت کے نقطۂ نظر سے بحث ہو سکتی ہے بلکہ ہو رہی ہے۔ اس لیے کہ اس کے تمام نکات واضح طور پر کسی ایک عہد، زمانے یا رجحان میں قید نہیں، بلکہ یہ زمان و مکان کے بے حد وسیع تناظر میں اپنا کام سرانجام دیتے ہوئے نظر آتی ہے۔''

یہ سچ ہے کہ جدید ہو یا مابعد جدید اپنی بنیادی روایات، رسومیات اور شعریات سے قطعی جدا نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ ہر عہد کی شاعری کا پچھلے عہد کی شاعری سے ایک جدلیاتی رشتہ تو بہر حال رہتا ہے۔ آزادی کے بعد کی شاعری کا یہ وہ منظر نامہ ہے جسے کبھی بھلایا نہیں جا سکتا ہے۔ کیوں کہ آزادی اپنے ماقبل سے اور مابعد سے مربوط ہوتی ہے۔ اسی لیے اس میں آزادی سے قبل اور آزادی کے مابین اور مابعد کے شعری منظر نامے کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ سیاسی، سماجی اور معاشرتی منظر نامہ بھی واضح ہو گیا ہے۔ ہم یہاں بطور نمونہ آزادی کے بعد کے اہم شعرا کے کلام کو پیش کرتے ہیں جس سے ہمیں تا حال کے سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی منظر نامے کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

دونوں جہاں تیری محبت میں ہار کے
وہ جا رہا ہے کوئی شبِ غم گزار کے

(فیض احمد فیضؔ)

میں نے اس آواز کو پالا ہے مَر مَر کے فراق
آج جس کی نرم لَو ہے شمع محراب حیات

(فراق گورکھپوریؔ)

آئے کیا کیا یاد نظر جب پڑتی ان دالانوں پر
اس کا کاغذ چپکا دینا گھر کے روشن دانوں پر

(جاں نثار اختؔر)

اس نے اس طرح محبت کی نگاہیں ڈالیں
ہم سے دنیا کا کوئی راز چھپایا نہ گیا

(معین احسن جذبؔی)

ہم ہیں کعبہ، ہم ہیں بت خانہ، ہمیں کائنات
ہوسکے تو خود کو بھی اک بار سجدہ کیجیے

(مجروح سلطانپورؔی)

سنتے ہیں آج ان کو بھی ہم سے گلہ ہوا
سیکھی ہیں جن سے ہم نے تغافل شعاریاں

(ادا جعفرؔی)

اب تو یہ غم ہے، ملاقات ہوئی کیوں تجھ سے
تو نہ ہوتا تو مرے ساتھ زمانہ ہوتا

(مظہر امؔام)

پرندے پہلی اڑانوں کے بعد لوٹ آئے
لپک اٹھا کوئی احساس رائیگانی کا

(راجندر منچندا بانی)

نہ تھا اس کا کوئی پتہ دور تک
مگر ہم نے دی تھی صدا دور تک

(کمار پاشؔی)

چلتے رہیے کہ یہاں دھوپ کھڑی ہے سر پر
دور تک دشتِ وفا میں کوئی سایہ بھی نہیں

(شہر یار)

دن بھر بچوں نے مل جل کر پتھر پھینکے، پھل توڑے
سانجھ ہوئی تو پنچھی مل کر رونے لگے درختوں میں

(محمد علوی)

لہو میں غرق ہمارے بدن کو سہل نہ جان
یہ آفتاب ہے اور ڈوب کر نکلتا ہے

(عرفان صدیقی)

کس کے آنسو چھپے ہیں پھولوں میں
چومتا ہوں تو ہونٹ جلتے ہیں

(بشیر بدر)

اے وقت کہیں اور نظر ڈال یہ کیا ہے
مدت کے وہی ہاتھ گریباں بھی وہی ہے

(شہپر رسول)

ہوا درختوں سے کہتی ہے دُکھ کے لہجے میں
ابھی مجھے کئی صحراؤں سے گزرنا ہے

(اسعد بدایونی)

اپنی آنکھوں سے بہا دے کوئی میرے آنسو
اپنی آنکھوں سے نکلنا نہیں آتا ہے مجھے

(فرحت احساس)

طویل ہجر نے دونوں کو یوں خراب کیا
کہ اس کے پاس نہ اب میرے پاس تنہائی

(مہتاب حیدر نقوی)

اس طرح کی اور بے شمار مثالیں ہیں جو یہاں پیش کی جاسکتی ہیں، بہرکیف اس جائزے کا ماحصل یہ ہے کہ آزادی کے بعد اردو کے شاعروں اور قلمکاروں نے اپنے تخلیقی عمل میں اپنے ماحول، اپنے گردوپیش، اپنے معاشرے، اپنی تہذیب اور خود اپنی ذات کے تئیں زیادہ ذمہ دارانہ رویے کا مظاہرہ کیا ہے۔

22.4 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں آپ نے کیا سیکھا کہ

- اردو زبان کیسے بنی
- اردو زبان کی مقبولیت کے اسباب کیا رہے
- اردو، ہندی، ہندوی اور ریختی سے آپ کیا سمجھتے ہیں
- اردو شاعری کے فروغ کے اسباب کیا تھے
- اردو کے عظیم شعرا کون کون ہیں

22.5 اپنا امتحان خود لیجیے

1- ان چار زبانوں کے نام لکھیے جن کے الفاظ اردو میں کثرت سے شامل ہیں؟

2- مصحفی کا وہ شعر لکھیے جس میں لفظ ہندوی استعمال ہوا ہے۔

3- دو ایسے شاعر کا نام بتایئے جو غزل اور نظم دونوں کے بڑے شاعر ہیں۔

4- ترقی پسند تحریک سے وابستہ دو شاعروں کے نام لکھیے؟

5- ترقی پسند تحریک کا باقاعدہ آغاز کب ہوا؟

7- جدیدیت کیا ہے؟ اس کی تعریف لکھیے؟

8- مابعد جدیدیت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

9- آزادی کے بعد کی شاعری کے چار شعرا کے نام لکھیے؟

ignou THE PEOPLE'S UNIVERSITY

22.6 سوالات کے جوابات

1- عربی، فارسی، ہندی اور سنسکرت۔

2- مصحفیؔ فارسی کو طاق پہ رکھ

اب ہے اشعارِ ہندوی کا رواج

3- علامہ اقبال اور فیض احمد فیض نظم اور غزل دونوں کے بڑے شاعر ہیں۔

4- مخدوم محی الدین اور علی سردار جعفری۔

5- ترقی پسند تحریک کا باقاعدہ آغاز 1936 سے ہوا۔

6- جدیدیت ایک فکری رجحان ہے۔ جدیدیت دراصل ایک ایسا جدت پسندانہ رویہ ہے جو روایتی اندازِ فکر کو رد کرتا ہے۔ اور ماضی کے مقابلے میں حال کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

7- مابعد جدیدیت 1980 کے بعد کی اردو شاعری کا ایک رجحان ہے۔ جس کے شعرا نے جدید تر طرزِ احساس سے غزل اور نظم دونوں کو فکری اور فنی اعتبار سے توانا کیا ہے۔

8- رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری۔ جاں نثار اختر، معین احسن جذبی۔ مجروح سلطان پوری۔

22.7 فرہنگ

لفظ	معنی
جذب	کھجور کے درخت کا گودا
انجذاب	نکلنا، کھینچنا
تشکیل	صورت بنانا، خاکہ تیار کرنا
نمودار	ظاہر، نظر آنے والا
موسوم	نام دیا گیا، مخاطب
آغاز	ابتدا، شروع
سرور	سرشاری، کیف
مرتب	ترتیب دیا ہوا
قدریں	مرتبہ، پرانی اقدار

ہموار	مساوی، برابر
موزوں	لائق، پسندیدہ
قادرالکلام	زبان وبیان پر حاکمانہ قابو
فرماں روا	صاحبِ اقتدار
ہم عصر	ایک زمانہ کا
بالخصوص	خاص طور سے
پیش نظر	موجودہ
وسیلہ	واسطہ، ذریعہ
مسلح	اسلحہ سے لیث
مفصل	تفصیل سے
رونما	وارد ہونا
بحرانی	پریشانی، انحطاط
استبداد	ظلم
معرض	کسی چیز کے ظاہر کرنے کی جگہ
رومانیت	رمان پسند
المیہ	سانحہ، دردناک واقعہ
اکثریت	زیادتی، کثرت
باشعور	ہوشیار، سلیقہ مند
ورثہ	ترکہ، میراث
بے زاری	بے چینی
تشکیک	دوسرے کو شک میں ڈالنا
بے اعتنائی	اچھی طرح پیش نہ آشنا
پارینہ	کہنہ، گزرا ہوا

ignou THE PEOPLE'S UNIVERSITY

غیر معمولی	جس کی اہمیت بہت زیادہ ہو
استحکام	پختگی، مضبوطی
تسلیم	قبول کرنا
شناخت	پہچان
سودا	جنون، پاگل پن
قفس	پنجرہ، جال

22.8 کتب برائے مطالعہ

1- پروفیسر عنوان چشتی آزادی کے بعد دہلی میں اردو غزل اردو اکادمی دہلی 1992

2- فرمان فتح پوری اردو شاعری کا فنی ارتقاء ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی 2012

3- شہزادانجم آزادی کے بعد اردو شاعری ساہتیہ اکادمی، دہلی 2002

4- بشیر بدر آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی 1981

5- سید عبدالباری آزادی کے بعد اردو زبان وادب آئی اوایس، نئی دہلی 1998

6- وسیم بیگم آزادی کے بعد اردو غزل تہذیبی مضمرات، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس 2009

ادبی تحریکات اور اہم شعرا